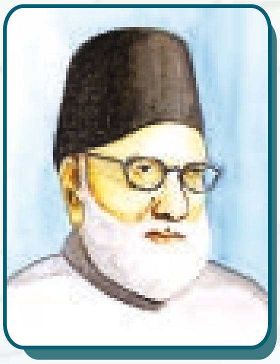

اکائی-II

ادبی اظہار

© NCERT not to be republished

© NCERT not to be republished

فہرست

باب 1: شعری اظہار		**29**
1.1	تعارف	29
1.2	شعری آہنگ کا پیدا ہونا	30
1.3	تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کا استعمال	32
1.4	شعر کی تیاری	34
1.4.1	غزل	36
1.4.2	نظم	37
باب 2: نثری اظہار		**41**
2.1	تعارف	41
2.1.1	داستان	41
2.1.2	ناول	42
2.1.3	کہانی/افسانہ	43
2.1.4	مضمون	45
2.1.5	انشائیہ	46
2.1.6	خاکہ	46
2.1.7	سفرنامہ	47
2.1.8	رپورتاژ	48
2.1.9	ڈائری/روزنامچہ	48
2.1.10	خط/مکتوب	49

© NCERT not to be republished

5194CH02

ادبی اظہار

اظہار کے مختلف پیرایوں میں تحریری پیرایۂ اظہار کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر یہ پیرایۂ اظہار ادبی صورت اختیار کر لے تو اس تحریر کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اخبار میں چھپنے والی خبریں حالاں کہ تحریری ہوتی ہیں لیکن ایک دن کے بعد اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں کیوں کہ اگلے دن ہمیں تازہ خبروں سے سروکار رہوتا ہے۔ لیکن بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیشہ پسند کی جاتی ہیں جو موقع بہ موقع پڑھی جاتی ہے جنھیں یاد کیا جاتا ہے جن کو محفوظ کر لیا جاتا ہے اور انھیں اگلی نسلوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہ تحریریں وہ ہوتی ہیں جن میں اپنے عہد کے بہترین خیال کو بہترین الفاظ میں بہترین حسن ترتیب کے ساتھ محفوظ کیا جاتا ہے۔ ان تحریروں میں زندگی اپنی رنگا رنگ خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

ادبی اظہار کی دو صورتیں ہیں۔ ایک نظم یا شعری اظہار کی صورت اور دوسرے نثر کی صورت۔ اس اکائی میں ان دونوں صورتوں پر توجہ کی گئی ہے اور طلبا کو آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ ان میں سے جس تحریری اظہار کو پسند کریں اس میں اپنے تخلیقی جوہر کو چمکائیں۔ اردو میں شعری اظہار کی صورت میں شعری آہنگ، تشبیہ، استعارے اور دیگر صنائع و بدائع کے استعمال کی بڑی اہمیت ہے۔ ان سے شعری اظہار کی خوبی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ غزل اور نظم اردو کی بے حد مقبول اصناف ہیں۔ ان دونوں اصناف میں طلبا کو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کا پورا پورا موقع ہے۔ اس اکائی میں ان دو شعری اصناف کو خصوصی طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔

نثری اظہار کی صورتوں میں بہت تنوع ہے۔ اس لیے اردو کی بیشتر اہم نثری اصناف کو اس اکائی میں متعارف کرایا گیا ہے۔ جن طلبا کو کہانیوں سے زیادہ لگاؤ ہے وہ داستان، ناول یا افسانے کی صورت میں اظہار کی اپنی صلاحیتوں کو جلا بخش سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ مضامین، انشائیے، خاکے، سفرنامے، رپورتاژ، ڈائری اور خط پر بھی سیرِ حاصل گفتگو کی ہے تا کہ طلبا کو اظہار کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولت میسّر آ سکے اور وہ کسی ایک صنف میں یا مختلف نثری و شعری اصناف میں اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کرنا سیکھ جائیں۔

© NCERT not to be republished

باب 1

میر تقی میر (1723/24-1880)

شعری اظہار

1.1 تعارف

تدریس و آموزش میں طلبا کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشان دہی اور انھیں پروان چڑھانے کی بڑی اہمیت ہے۔ ماہرینِ تعلیم کا ماننا ہے کہ طلبا کو اظہار کا زیادہ سے زیادہ موقع ملنا چاہیے جس سے اُن کی آموزش کے عمل میں تیزی آسکے۔ طلبا اپنے ذوق کے مطابق ادب کی مختلف اصناف میں اظہار کر سکتے ہیں۔ ادبی اظہار دو طرح کی لسانی صورتوں میں نظر آتا ہے:

1۔ نظم کی صورت میں

2۔ نثر کی صورت میں

پہلی صورت کو منظوم یا شعری اظہار اور دوسری صورت کو نثری اظہار کہا جاتا ہے۔ ذیل میں ادبی اظہار کی دونوں صورتوں کا اجمالی تعارف اور طلبا میں اس اظہار کی صلاحیت کو پروان چڑھانے کی بعض تکنیکوں پر بات کی گئی ہے۔

نظم کی صورت یا ہیئت میں پیش کیے گئے لسانی اظہار کو شعری اظہار بھی کہا جاتا ہے۔ زبان کی چھوٹی بڑی آوازوں کی ایک خاص ترتیب کو 'شعری آہنگ' کہتے ہیں۔ زبان کی چھوٹی بڑی آوازوں کا مخصوص تال میل اِسے نثری لسانی اظہار سے مختلف بنا دیتا ہے۔ شعری اظہار میں جملے کی ساخت کے اس قواعدی اصول کو پیشِ نظر رکھنا ضروری نہیں ہوتا جس کی پیروی نثری اظہار میں لازم ہوتی ہے۔ مثلاً اقبال کی نظم کا یہ مصرع دیکھیے:

آتا ہے یاد مجھکو گزرا ہوا زمانہ

اسے قواعد کے اعتبار سے نثر میں اس طرح لکھا جائے گا:

مجھ کو گزرا ہوا زمانہ یاد آتا ہے۔

یہاں جملے کی ساخت کے اعتبار سے سب سے پہلے فاعل یعنی 'مجھ کو' لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد مفعول یعنی 'گزرا ہوا زمانہ' تحریر کیا گیا ہے اور آخر میں فعل یعنی 'یاد آتا ہے' کے ساتھ جملہ مکمل ہوا ہے۔ اس کے برعکس شعری اظہار میں سب سے پہلے 'آتا ہے یاد' لکھا گیا۔ اس کے بعد فاعل 'مجھ کو' اور پھر مفعول 'گزرا ہوا زمانہ' آیا ہے۔ اس طرح جملے کی نحوی ترتیب کے برعکس شاعر نے وزن اور بحر کے اعتبار سے اور قافیہ و ردیف کے التزام کے ساتھ اسے شعری پیرایۂ اظہار دیا ہے۔

اقبال کا جو مصرع آپ نے پڑھا وہ نظم کا پہلا مصرع ہے۔ اس کے بعد دوسرا مصرع 'وہ باغ کی بہاریں وہ سب

© NCERT not to be republished

کا چہچہانا' آیا اور اس طرح شعر مکمل ہو گیا۔ اس نظم کے چند شعر اور دیکھیے :

آتا ہے یاد مجھکو گزرا ہوا زمانہ	وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا
آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی	اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت	آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ

شعری اظہار کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جنھیں صنف کہتے ہیں مثلاً نظم، غزل، مثنوی اور قصیدہ وغیرہ۔ اگر چند یا بہت سے اشعار مل کر کسی ایک خیال یا موضوع کی ترسیل کر رہے ہوں تو اشعار کے ایسے مجموعے کو نظم کہتے ہیں۔ پچھلی جماعتوں میں آپ بہت سی نظمیں پڑھ چکے ہیں مثلاً ''ریچھ کا بچہ، پرندے کی فریاد، پیاری چڑیوا بھی اور گاؤ'' وغیرہ۔

غزل کی صورت اس سے مختلف ہوتی ہے۔ اس میں ہر شعر کا الگ مفہوم ہوتا ہے اور ہر شعر اپنے آپ میں مکمل ہوتا ہے۔ جیسے غزل کے یہ اشعار دیکھیے :

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں	یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں
تُو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا	ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

1.2 شعری آہنگ کا پیدا ہونا

انسان کا ذہن آوازوں کے آہنگ سے متاثر ہوتا ہے۔ گیت یا ساز بجنے کی آواز کو سن کر وہ اپنے سر، ہاتھ یا پاؤں کو آواز کے ساتھ حرکت دینے لگتا ہے۔ اسے ''تال دینا'' کہتے ہیں اور شعری اظہار یعنی نظم، غزل وغیرہ میں زبان کی آوازوں کے اسی آہنگ کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ لفظ آوازوں سے بنتے ہیں اور ان آوازوں کی وجہ سے ہر لفظ کی ایک موسیقی بھی ہوتی ہے۔ آپ کے پاس چار الفاظ ہیں:

تارے/ بچّو/ دیکھو/ نکلے

ان لفظوں کو دی گئی ترتیب میں پڑھیں تو کوئی خاص بات سمجھ میں نہیں آتی مگر انھیں صحیح ترتیب میں پڑھا جائے تو ایک خاص بات ہماری سمجھ میں آئے گی:

دیکھو بچّو نکلے تارے

پہلے یہ الفاظ بے ترتیب تھے مگر ترتیب میں آنے کے بعد یہی الفاظ منظوم یا شعری اظہار میں بدل گئے ہیں:

'دیکھو بچّو نکلے تارے' کو اب آپ آدھے آدھے سیکنڈ کے وقفے سے مسلسل اونچی آواز میں پڑھیے۔ آپ محسوس کریں گے کہ اس طرح روانی سے پڑھنے سے آپ کے ذہن میں ان لفظوں کی ترتیب اور تکرار سے آوازوں کا ایک خاص آہنگ پیدا ہو رہا ہے۔

ثانوی اور اعلا ثانوی سطح پر فن کی درسیات میں طلبا کو اپنی دلچسپی کے کسی فن میں خصوصی مہارت حاصل کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ فن کی تعلیم حاصل کرنے اور اس کی مشق کے دوران طلبا فن کے نظریے سے متعلق معلومات اور جمالیاتی تجربے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے ان کے حسن شناسی کے ذوق میں گہرائی پیدا ہوگی۔

– قومی درسیات کا خاکہ –2005

2020-21

© NCERT not to be republished

دیکھو بچّو نکلے تارے
دیکھو بچّو نکلے تارے
دیکھو بچّو نکلے تارے

اب یہ الفاظ بھی ساتھ جوڑ دیجیے: نیلے پیلے پیارے پیارے

یوں گویا آپ نے شعری اظہار مکمل کر لیا۔ مسلسل اسی طرح کے آہنگ والے الفاظ برت کر ایسے بے شمار جملے یا مصرعے بنائے جا سکتے ہیں۔

نظم نگاری ایک تخلیقی عمل ہے۔ نظم خیال یا موضوع سے بنتی ہے۔ انسان کے ذہن میں جو خیال آتا ہے، بغیر لفظوں کے نہیں آتا۔ مگر اس خیال کے نظم بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اظہار شعری آہنگ کے ساتھ کیا جائے۔

کوئی شعر یا نظم بلند آواز سے پڑھیے۔ اس کے لفظوں کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کیجیے اور یہ بھی خیال رہے کہ ہر لفظ کا تلفظ بالکل صحیح ادا کیا جائے۔ یہ عمل بار بار کرنے سے آپ محسوس کریں گے کہ آپ کا ذہن شعری آوازوں کے تسلسل سے ہم آہنگ ہو رہا ہے۔ اس مرحلے پر شعر کی تخلیق کے لیے ''خیال (زبان) + آہنگ'' کا ضابطہ حاصل ہوتا ہے۔ اگلے مرحلے میں شعر یا نظم کے بعض تکنیکی تقاضوں کو پورا کرنا لازمی ہے۔ یعنی شعر کی ہیئت کے مطابق قافیہ ردیف کا انتخاب۔ شعر کے الفاظ اور آہنگ کے تال میل کی موزونیت کے لیے قافیوں اور ردیف وغیرہ کی ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔ یہ صورت شعری آہنگ یعنی اصطلاح میں شعر کے وزن و بحر کے مطابق الفاظ کو صحیح مقام پر رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی: خیال (کے الفاظ) + قافیے + ردیف + بحر (آہنگ)

اس ضابطے کا اطلاق ہر شعری اظہار پر ہو سکتا ہے۔

شاعری تخلیقی عمل ہے۔ جس کا وسیلہ زبان ہے۔ اس لیے اس میں زبان کے استعمال کی ساری نزاکتیں شامل

© NCERT not to be republished

ہو سکتی ہیں۔ شعری اظہار میں خیال اور آہنگ کو بنیادی ضرورت تسلیم کیا گیا لیکن شعری اظہار کی مختلف صورتیں اس طرح وجود میں آئیں کہ یہ اپنی الگ الگ شکلوں یا ہیئتوں سے پہچانی جانے لگیں۔ ان میں سے کسی ہیئت کو نظم کہا گیا کسی کو مثنوی اور کسی کو رباعی۔ شعری اظہار کو مزید دلچسپ اور دل نشیں بنانے کے لیے تشبیہ اور استعارہ وغیرہ کا استعمال کیا گیا جاتا ہے اس سے شاعری کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

1.3 تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کا استعمال

شاعری میں جذبات واحساسات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ احساس جب الفاظ کا روپ اختیار کر لیتے ہیں تو شعر بن جاتا ہے لیکن شعر کی یہ تعریف مکمل نہیں ہے کیوں کہ جذبات واحساسات کی عکاسی نثر میں بھی ہوتی ہے پھر کون سی چیز ہے جو نثر کو شعر سے الگ کرتی ہے۔ آپ کوئی بھی شعر پڑھیے تو اس سوال کا آسانی سے جواب مل جائے گا۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی جذبے کا اظہار نثر اور شعر میں الگ الگ انداز میں ہوا ہے۔ نثر میں بات براہِ راست اور نحوی ترتیب کے ساتھ کہی جاتی ہے لیکن اس کے برعکس شاعری میں مبہم انداز اختیار کر کے اس میں معنوی وسعت پیدا کر دی جاتی ہے۔ مثلاً اگر ہم کسی کے ہونٹ کی نزاکت کا نثر میں اظہار کرنا چاہیں تو کہیں گے کہ اس کے ہونٹ بہت نازک ہیں یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے ہونٹوں کی نزاکت کا کیا کہنا۔ لیکن اسی بات کو شاعر اس طرح کہتا ہے:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

یہاں شاعر نے ہونٹوں کی نزاکت کو واضح کرنے کے لیے تشبیہ کا سہارا لیا۔ یعنی اس نے ہونٹ کو گلاب کی پنکھڑی جیسا بتایا اور اس طرح ہونٹ اور گلاب کی پنکھڑی کی نزاکت کو ایک جیسا ٹھہرایا۔ اب جس نے شاعر کے محبوب کا ہونٹ نہیں بھی دیکھا ہے وہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ شاعر کس طرح کی نزاکت کی بات کر رہا ہے۔ گلاب کی پنکھڑی تو سب نے دیکھی ہے اور اس کی نزاکت سے بھی سبھی واقف ہیں۔ گویا ایک نادیدہ شے کو دیدہ بنانے کے لیے شاعر نے ایک ذریعہ ڈھونڈھا۔ اس ذریعہ کو شعری اصطلاح میں ہم تشبیہ کہتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے مثل ٹھہرانا۔ کچھ اور اشعار دیکھیے اور غور کیجیے کہ کس طرح شاعر نے تشبیہ سے کام لے کر اظہار کو وسیع کر دیا۔

میر ان نیم باز آنکھوں میں	ساری مستی شراب کی سی ہے
کل رات تری محفل میں ہم بھی کھڑے تھے چپکے	جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ
جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں	یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

ان مثالوں سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ شاعر جذبات واحساسات کا ایک خاص طرح سے اظہار کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ بحر اور وزن کا خیال تو رکھتا ہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ شعری لوازم کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ انھیں شعری لوازم

© NCERT not to be republished

میں تشبیہ بھی شامل ہے۔

استعارہ کا شمار شعری لوازم میں ہوتا ہے۔ یہ تشبیہ سے آگے کی منزل ہے۔ یعنی اس میں ہم ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ نہیں ٹھہراتے بلکہ اس کے جیسا مان لیتے ہیں۔

استعارہ معنی ہیں ادھار لینا یا عارضی طور پر مانگ لینا۔ چوں کہ اس میں لفظ اپنے لغوی معنی کے بجائے کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ان دونوں لفظوں کے مابین تشبیہ کا تعلق پایا جاتا ہے اس لیے اسے استعارہ کہتے ہیں۔

شاعر اپنی بات میں مزید حسن اور وسعت پیدا کرنے کے لیے استعارے سے کام لیتا ہے۔ حسرت کا درج ذیل شعر دیکھیے:

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں شاعر نے محبوب کے حسن کو آتش گل کے مانند کہنے کے بجائے براہِ راست آتش گل ہی قرار دے دیا ہے۔ یہاں آتش گل کو لغوی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور لغوی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کا رشتہ ہے۔ اب ایک اور شعر دیکھیے جس میں استعارے کا استعمال کیا گیا ہے۔

یہ آگ ہوس کی ہے جھلس دے گی اسے بھی
سورج سے کہو سایۂ دیوار میں آئے

غالب (1797-1869)

کنایہ اور مجاز مرسل شعر کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ کنایہ سے مراد ہے 'مخفی اشارہ' یعنی بات کو پوشیدہ رکھ کر کہنا۔ اسی لیے کنائے کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

کنایہ وہ لفظ ہے جس کے حقیقی یا اصلی معنی مراد نہ ہوں بلکہ غیر حقیقی معنی مراد لیے جائیں۔ مثلاً غالب کہتے ہیں:

کسی کو دے کے دِل اپنا کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منھ میں زباں کیوں ہو

اس شعر میں 'کوئی' مخفی اشارہ ہے۔ شاعر کہہ رہا ہے کہ عاشق اپنا دل محبوب کو دے چکا ہے تو اسے نوا سنج فغاں نہیں ہونا چاہیے یعنی فریاد اور آہ و زاری نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ جب دل ہی سینے میں نہیں تو پھر زبان سے شکایت کرنے کا سوال ہی نہیں ہے۔ غالب نے اس شعر میں لفظ عاشق کہیں استعمال نہیں کیا بلکہ 'کوئی' کا لفظ استعمال کر کے کنایہ پیدا کر دیا۔ یہ لفظ کوئی 'عاشق' کا کنایہ ہے۔

شاعر اپنے بیان کو دلکش اور پر اثر بنانے کے لیے جن شعری لوازم کا استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے ایک 'مجاز مرسل' ہے۔ مجاز مرسل کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

جب کسی لفظ کو اس کے اصل معنی کے بجائے مجازی یا دوسرے معنی میں استعمال کیا جائے اور ان دونوں معنی کے درمیان تشبیہ کا رشتہ نہ ہو تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔ مثلاً میر کا شعر دیکھیے:

© NCERT not to be republished

غضب آنکھیں، ستم ابرو، عجب منہ کی صفائی ہے
خدا نے اپنے ہاتھوں سے تری صورت بنائی ہے

اس شعر میں 'خدا کا ہاتھ' سے مراد خدائی قدرت ہے۔

اب تک جن شعری لوازم کا ذکر کیا گیا یہ سب شعر کو دل کش اور موثر بنانے کے ذرائع ہیں۔ شاعر ان کی مدد سے اپنے کلام کو حسین اور پرکشش بناتا ہے۔ آپ جب کبھی کسی شاعر کی غزل یا نظم پڑھیں تو غور سے دیکھیے کہ ان میں کس طرح تشبیہ، استعارے، کنائے یا مجازِ مرسل کا استعمال کیا گیا ہے۔ آپ بھی ان شعری لوازم کی مدد سے اپنی بات کو پرکشش اور دل نشیں بنا سکتے ہیں۔ نثر میں بھی ہم تشبیہ اور استعارے سے کام لیتے ہیں۔ کسی کو حسین کہنا ہو تو ہم بلا تکلف اسے چودھویں کا چاند کہہ کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر شاعری کا ذوق ہے تو شعر کہنے کے لیے ان شعری لوازم سے واقفیت ضروری ہے اور ان کے برتنے کا سلیقہ بھی ہونا چاہیے۔ یہ سلیقہ ایک دن میں نہیں آتا اس کے لیے مشق اور ریاضت لازمی ہے۔ اچھے اور مشہور شاعروں کا کلام بار بار پڑھنے سے عام قاری کی صلاحیتیں بیدار ہونے لگتی ہیں اور اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ خود بھی شعر کہہ سکتا ہے۔ بس جیسے ہی یہ احساس ہو کاغذ قلم لے کر بیٹھ جائیے اور کسی منتخب غزل کو سامنے رکھ کر اسی انداز کے شعر لکھنے کی کوشش کیجیے۔ آہستہ آہستہ بحر، آہنگ اور موزونیت کا احساس ہونے لگے گا اور کچھ ہی دنوں بعد آپ محسوس کریں گے کہ آپ بھی شعر کہہ سکتے ہیں۔

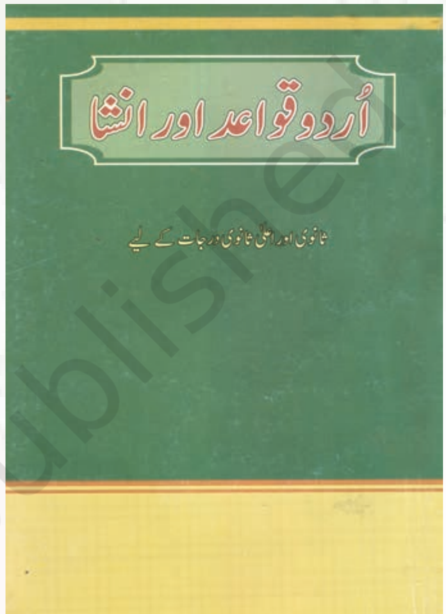

کسی اچھے شعر کو پڑھتے وقت یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ شاعر نے شعری لوازم کے علاوہ کچھ اور ترکیبوں سے بھی شعر میں حسن پیدا کیا ہے۔ انھیں ہم صنعت کہتے ہیں۔ ایسی صنعتیں بہت سی ہیں۔ ان کے بارے میں آپ این سی ای آر ٹی کی کتاب 'اردو قواعد اور انشا' میں آپ تفصیل سے پڑھ سکتے ہیں۔ ان صنعتوں میں سے کچھ خاص صنعتیں درج ذیل ہیں۔

- مراعاۃ النظیر
- حسن تعلیل
- تلمیح
- تجنیس
- تضاد
- مبالغہ وغیرہ

1.4 شعر کی تیاری

تخیّل ـ شاعری کے لیے جس طرح جذبات و احساسات کا اظہار ضروری ہے اسی طرح تخیّل شاعری کی بنیادی شرط ہے۔ تخیّل ایک ایسی قوت کا نام ہے جو دور کی چیزوں کو قریب لا دیتی ہے، بغیر دیکھی ہوئی چیزوں کو دکھا دیتی ہے، مختلف چیزوں کے درمیان رشتے ڈھونڈ لیتی ہے۔ تخیّل کی مدد سے ہی شاعر نئے نئے مضامین پیدا کرتا ہے، تشبیہ اور استعارے سے کام لیتا ہے۔ ایک پھول کے مضمون کو سو ڈھنگ سے باندھتا ہے، میدانِ جنگ کا ذکر کرتا ہے تو خون برستا نظر آتا ہے، کسی کی صورت کا نقشہ کھینچتا ہے تو اس کی صورت نظر آجاتی ہے۔

تخیّل کی قوت ہر ایک میں ہوتی ہے۔ ہم سب عالم خیال میں نئی دنیاؤں کی سیر کرتے رہتے ہیں۔ شاعر میں تخیّل کی یہ قوت بہتر شکل میں ہوتی ہے اور وہ اس سے مناسب انداز میں کام لینا بھی جانتا ہے۔ شعر کہنے کے لیے

© NCERT not to be republished

ضروری ہے کہ ہم اس قوت کی اہمیت سے واقف ہوں اور اسے بخوبی بروئے کار لاسکیں۔
مثلاً یہ شعر دیکھیے :

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

اس میں تخیّل کی مدد سے شاعر نے حسن کی بے ثباتی اور زندگی کی حقیقت کا خوبصورت شعری اظہار کیا ہے۔ پھولوں کو دیکھ کر شاعر کو حسین چیزوں کا خیال آتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اسے احساس بھی ہوتا ہے کہ کیسے کیسے لوگ اس دنیا میں آئے اور لقمۂ اجل بن گئے۔ مٹی میں اس طرح دفن ہوئے کہ ان کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ پھر شاعر ان پھولوں کو دیکھ کر سوچتا ہے، کیا پتہ، انھیں چیزوں میں سے کچھ چہرے پھولوں کی شکل میں نمودار ہوگئے ہوں۔ اگر ایسا ہے تب بھی سب کی قسمت ایسی کہاں، بس کچھ ہی لالہ وگل کی صورت میں نمایاں ہوگئے۔ مطلب یہ ہے کہ ہزاروں حسینوں میں چند ایک ہی کا نام ونشان رہ جاتا ہے۔

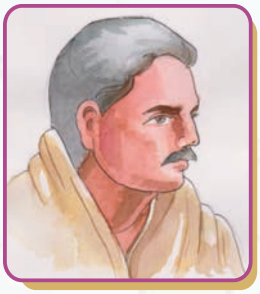
علامہ اقبال (1938-1877)

تخیّل کی یہی معنویت ہمیں میر، غالب، انیس، اقبال وغیرہ کی شاعری میں انتہائی بلندی پر نظر آتی ہے۔ تخیّل کی اسی قوت کی مدد سے میر انیس میدان کربلا کا نقشہ کھینچتے ہیں، صبح کی منظر کشی کرتے ہیں اور جنگ کے مناظر دکھاتے ہیں۔

شاعر اپنے تمام تجربات ومشاہدات کا اظہار نہیں کرتا۔ وہ بہت سے تجربات ومشاہدات میں سے چند کا انتخاب کرتا ہے۔ گویا وہ کچھ مضامین کو چھوڑ دیتا ہے اور کچھ کو چن لیتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے بہت سے جذبات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور اعلیٰ خیالات کو اپنے اظہار کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ اسی لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اچھی شاعری میں بلند خیالی ہوتی ہے، اعلیٰ مضامین ہوتے ہیں۔ پرانے اور فرسودہ خیالات کے بجائے نئے مضامین ہوتے ہیں۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ شاعر پرانے خیالات کو نئے انداز سے پیش کرتا ہے۔ ان باتوں کا بخوبی اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب ہم شاعروں کے کلام کا بغور اور بار بار مطالعہ کریں۔ شاعری کے لیے تخیّل بھی ضروری ہے اور وسیع مشاہدہ بھی۔ ہمارے تجربات اور مشاہدات جتنے وسیع ہوں گے، ہم اتنی ہی آسانی سے شعر کہہ سکتے ہیں۔ اگر زندگی اور کائنات کے بارے میں ہمارا تجربہ محدود ہے تو ہم نئے نئے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے۔

اظہارِ خیال کے لیے الفاظ کا وسیع ذخیرہ ہونا بھی ضروری ہے۔ ایک ہی خیال کو ملتے جلتے الفاظ کی مدد سے ادا کیا جاسکتا ہے لیکن کون سا لفظ کس خیال کو ادا کرنے کے لیے سب سے بہتر ہوسکتا ہے، اس کا فیصلہ کرنا شاعر کا بنیادی کام ہے۔ اسی لیے یہ کہا جاتا ہے کہ شاعری بہترین الفاظ کا بہترین اظہار ہے۔ جو شاعر جتنا بڑا ہوتا ہے اس کے الفاظ کا ذخیرہ بھی وسیع ہوتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ آپ اپنے ذخیرہ الفاظ میں موجود الفاظ کا استعمال کریں لیکن یہ ضروری ہے کہ مناسب ترین لفظ کا انتخاب کیا جائے۔ اسی لیے شاعر شعر کہنے کے بعد بھی الفاظ کے انتخاب پر غور وخوض کرتا ہے اور آخر میں شعر کو حتمی شکل دیتا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ متعدد الفاظ پر انھوں نے ترمیم کے خیال سے نشان لگا رکھا تھا۔ ان کے مسودات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اشعار پر نظر ثانی کرتے رہتے تھے۔ ہر شخص کو جو شاعری کے میدان میں قدم رکھتا ہے، اس اصول پر عمل کرنا چاہیے۔

2020-21

اس مطالعے کے دوران ہمیں یہ بھی اندازہ ہوگا کہ سب شاعر ایک انداز سے شعر نہیں کہتے۔ وہ شعر گوئی کے لیے مختلف اصناف سخن کا سہارا لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی غزل کہتا ہے، کوئی مرثیہ نگار ہے، کوئی قصیدہ لکھتا ہے، کسی کو رباعی لکھنے میں ملکہ حاصل ہے، کوئی نظم گو ہے۔ بعض شاعر کئی کئی اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں لیکن ان کے کلام کو دیکھ کر صاف اندازہ ہوتا ہے کہ کسی ایک صنف میں انھیں زیادہ مہارت حاصل ہے۔ مثلاً میرؔ غزل کے ساتھ ساتھ مثنوی بھی لکھتے ہیں لیکن ان کا کمال فن غزل میں ظاہر ہوتا ہے۔ سوداؔ غزل اور قصیدہ دونوں کہتے ہیں لیکن وہ قصیدہ گو کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ غالب قصیدہ بھی لکھتے ہیں اور غزل بھی۔ لیکن قصیدے کے مقابلے غزل انھیں زیادہ محبوب ہے۔ دوسرے شاعروں کا بھی یہی حال ہے۔

اردو کی مشہور اصناف سخن میں غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، نظم، قطعہ، رباعی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان تمام اصناف میں غزل ہر دور میں سب سے زیادہ مقبول رہی ہے۔ ماضی میں قصیدہ، مرثیے اور مثنوی لکھنے کا عام رواج تھا لیکن اب ان کا چلن نہیں رہا۔ مثنوی اور مرثیے تو اب بھی لکھے جا رہے ہیں۔ لیکن قصیدہ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ مثنوی اور مرثیے کا انداز بھی بہت کچھ بدل چکا ہے۔ البتہ غزل کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہی ہوا ہے۔ غزل کے اسلوب بیان میں تبدیلی تو آئی ہے لیکن غزل کا بنیادی مزاج اور اس کی ہیئت برقرار ہے۔

1.4.1 غزل

غزل کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اس کا ہر شعر معنوی اعتبار سے جدا ہوتا ہے۔ غزل میں مسلسل مضامین بھی بیان کیے جا سکتے ہیں لیکن زیادہ تر غزلوں میں ہر شعر کا مضمون علاحدہ ہوتا ہے اور یہی غزل کا حسن ہے۔ البتہ غزل کے تمام اشعار کا ایک بحر میں ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح غزل میں قافیے کی پابندی بھی لازمی ہے۔ قافیے کے علاوہ غزل میں ردیف بھی ہو سکتی ہے لیکن ردیف کا ہونا ضروری نہیں۔ ان کے علاوہ غزل کی ہیئت کے حوالے سے کچھ اور باتیں بھی قابل ذکر ہیں۔ مثلاً غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ اور آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں۔ مقطعے میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ ان باتوں کی وضاحت سے پہلے آئیے ہم ایک غزل پڑھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں یہ باتیں کس طرح آئی ہیں۔

میں ہوں کیا میری محبت کی حقیقت کیا ہے		اس نے یہ بھی نہ پوچھا تیری حالت کیا ہے
ہم کو واعظ یہ خبر سب ہے کہ جنت کیا ہے		کوچۂ یار سے لیکن اسے نسبت کیا ہے
جس کی ذلت میں بھی عزت ہے سزا میں بھی مزا		کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ محبت کیا ہے
شادماں ہو کے ترے درد سے کہتا ہے یہ دل		ہے اذیت جو یہی چیز تو راحت کیا ہے
تم یہ پھر بھی تو نہ سمجھے کہ کرم ہے کیا شے		ہم نے پھر بھی تو نہ جانا کہ شکایت کیا ہے
رند مے نوش کبھی صوفی صافی ہے کبھی		حسرتؔ آخر یہ ترا رنگ طبیعت کیا ہے

حسرت موہانی (1880/81-1951)

یہ غزل مشہور غزل گو حسرت موہانی کی ہے۔ اس میں حقیقت، حالت، نسبت، محبت، راحت، شکایت اور طبیعت وغیرہ الفاظ قافیہ ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یکساں آواز اور یکساں حرف یا حروف پر ختم ہونے والے

© NCERT not to be republished

الفاظ کو قافیہ کہا جاتا ہے۔ قافیہ کے بعد جن الفاظ کی تکرار غزل کے ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں ہوتی ہے انھیں ردیف کہا جاتا ہے۔ مثلاً مذکورہ غزل میں 'کیا ہے' ردیف ہے۔ غزل میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہوتی ہے لیکن عام طور سے پانچ یا سات اشعار کی غزل لکھنے کا رواج رہا ہے۔ غزل کا سب سے اچھا شعر 'بیت الغزل' کہلاتا ہے۔ اسے 'شاہ بیت' بھی کہتے ہیں۔ کسی غزل میں ایک سے زیادہ مطلع بھی ہوسکتے ہیں۔ ایسی صورت میں غزل کے دوسرے شعر کو حسنِ مطلع کہا جاتا ہے۔

اب ایک اور غزل کے چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔ انھیں پڑھیے اور غور کیجیے کہ ان میں قافیہ اور ردیف کا استعمال کس طرح ہوا ہے اور شاعر نے کس طرح اپنی بات پیش کی ہے۔

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں	تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں
طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں	ہم ایسے میں تری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں
خود اپنا فیصلہ بھی عشق میں کافی نہیں ہوتا	اسے بھی کیسے کرگزریں جو دل میں ٹھان لیتے ہیں
جسے صورت بتاتے ہیں پتا دیتی ہے سیرت کا	عبارت دیکھ کر جس طرح معنی جان لیتے ہیں
فراق اکثر بدل کر بھیس ملتا ہے کوئی کافر	کبھی ہم جان لیتے ہیں کبھی پہچان لیتے ہیں

فراق گورکھپوری (1896-1982)

1.4.2 نظم

موجودہ زمانے میں غزل کے علاوہ نظمیں بھی خوب لکھی جارہی ہیں۔ نظم کے لغوی معنی 'انتظام'، 'ترتیب' یا 'آرائش' کے ہیں۔ عام طور پر یہ لفظ نثر کے بالمقابل استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں غزل کے علاوہ باقی تمام اصناف سخن شامل ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مغربی نظم ایک مخصوص صنف کا بھی نام ہے۔ اردو میں نظم کا آغاز نظیر اکبرآبادی سے ہوا۔ بعد میں اسے محمد حسین آزاد اور حالی کی کوششوں سے استحکام حاصل ہوا۔

نظیر اکبرآبادی (1735/40-1830)

صنفِ سخن کی حیثیت سے نظم سے مراد ہے ایسی شاعری جس کا ایک مرکزی خیال ہو اور اس میں خیال کا تدریجی ارتقا بھی پایا جاتا ہو۔ نظم طویل ہوسکتی ہے اور مختصر بھی۔ اس کے لیے موضوعات کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہ پابند ہوسکتی ہے، معریٰ بھی اور آزاد بھی۔ تجربے کے طور پر اردو میں نثری نظمیں بھی لکھی گئی ہیں۔

- پابند نظم سے مراد ایسی نظم ہے جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب سے مقررہ اصولوں کی پابندی کی جاتی ہے۔ اس کے تمام مصرعے برابر ہوتے ہیں۔
- نظم معریٰ میں تمام مصرعے تو برابر ہوتے ہیں لیکن اس میں قافیے کی پابندی نہیں کی جاتی ہے۔ اسی لیے نظم معریٰ کو نظم عاری بھی کہتے ہیں۔
- آزاد نظم میں قافیے کی پابندی نہیں ہوتی۔ اس کے مصرعوں کے ارکان بھی چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ یعنی آزاد نظم کے تمام مصرعے برابر نہیں ہوتے۔
- نثری نظم جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، نثری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں خیال شاعرانہ ہوتا ہے، وزن نہیں ہوتا البتہ ایک خاص آہنگ کا احساس ضرور ہوتا ہے۔

© NCERT not to be republished

اقبال، جوش، اختر الایمان، فیض وغیرہ نظم کے اہم شاعر ہیں نے تواتر سے نظمیں لکھی ہیں۔ نیچے دی ہوئی ان نظموں کے مطالعے سے نظموں کے مزاج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر جوش کی نظم 'البیلی صبح' دیکھیے :

البیلی صبح

نظر جھکائے عروس فطرت جبیں سے زُلفیں ہٹا رہی ہیں
سحر کا تارا ہے زلزلے میں، اُفق کی لو تھرتھرا رہی ہے

روِش روِش نغمہ طرب ہے، چمن چمن جشن رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں، کلی کلی گنگنا رہی ہے

ستارہ صبح کی رسیلی، جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگارِ مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے

طیور، بزم سحر کے مطرب، لچکتی شاخوں پہ گا رہے
نسیم، فردوس کی سہیلی، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے

کلی پہ بیلے کی، کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں، یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی دلہن مسکرا رہی ہے

سحر کو مدنظر ہیں کتنی رعایتیں چشم خوں فشاں کی
ہوا بیاباں سے آنے والی لہو کی سرخی بڑھا رہی ہے

شلو کا پہنے ہوئے گلابی، ہر اِک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا ہوا میں پلو، سکھا رہی ہے

فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گرد و پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے

کھٹک یہ کیوں دل میں ہو چلی پھر؟ چٹکتی کلیو! ذرا ٹھہرنا
ہوائے گلشن کی نرم رو میں یہ کیسی آواز آرہی ہے

جوش ملیح آبادی (1896/98-1982)

یہ پابند نظم کی مثال ہے۔ اس نظم میں شروع سے آخر تک ایک مرکزی خیال موجود ہے۔ قافیے کی بھی پابندی ہے اور مصرعوں کے ارکان بھی برابر ہیں۔ اب فیض کی ایک مشہور نظم 'تنہائی' دیکھیے :

© NCERT not to be republished

تنہائی

پھر کوئی آیا دلِ زار، نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سوگئی راستہ تک تک کے ہر اک راہ گذار
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کرلو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

فیض احمد فیضؔ (1911-1984)

یہ ایک مُعرّا نظم ہے۔ اس میں مصرعے برابر ہیں اور قافیوں کا التزام نہیں ہے لیکن ارتقائے خیال حسبِ دستور موجود ہے۔ شاعر نے استعارے اور اشارے کنائے میں اپنی بات کہی ہے جس سے نظم کے حسن میں اضافہ ہوا ہے۔ مخدوم محی الدین کی نظم ’چاند تاروں کا بن‘ بھی ایسی ہی ایک نظم ہے۔ فیض کی نظم کے مقابلے میں اس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہیں یہ آزاد نظم کی مثال ہے:

چاند تاروں کا بن

چاند تاروں کا بن
موم کی طرح جلتے رہے ہم شہیدوں کے تن
رات بھر جھلملاتی رہی شمعِ صبحِ وطن
رات بھر جگمگاتا رہا چاند تاروں کا بن
تشنگی تھی مگر
تشنگی میں بھی سرشار تھے
آنکھوں کے خالی کٹورے لیے
منتظر مرد و زن
مستیاں ختم، مدہوشیاں ختم تھیں، ختم تھا بانکپن
رات کے جگمگاتے دہکتے بدن
صبح دم ایک دیوارِ غم بن گئے

مخدوم محی الدین (1908-1969)

© NCERT not to be republished

خارزارالم بن گئے
رات کی شہہ رگوں کا اُچھلتا لہو
جوئے خوں بن گیا
رات کی تلچھٹیں ہیں، اندھیرا بھی ہے
صبح کا کچھ اُجالا، اُجالا بھی ہے
ہمدمو!
ہاتھ میں ہاتھ دو
سوئے منزل چلو
منزلیں پیار کی
منزلیں دار کی
کوئے دل دار کی منزلیں
دوش پر اپنی اپنی صلیبیں اٹھائے چلو

اس نظم میں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کے ہندوستان کا منظر پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آزادی سے پہلے جن مسائل سے دوچار تھے، آزادی کے بعد بھی ان مسائل سے نجات نہیں مل سکی ہے۔ لیکن اس بات کو شاعر نے شعری انداز میں تشبیہ اور استعارے کی مدد سے کہا ہے جس کی وجہ سے بات پر کشش ہوگئی ہے۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ غزلوں کے علاوہ نظموں میں بھی تشبیہ، استعارے، اشارے اور کنائے سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن غزل کی طرح نظم کا مبہم ہونا ضروری نہیں۔ نظم کی زبان کھردری بھی ہوسکتی ہے۔ اختر الایمان نے اپنی نظموں میں خاص طور پر قدرے مختلف زبان استعمال کی ہے۔ بہر حال نظموں کے بغور مطالعے سے نظم نگاری کے ذوق کو نکھارا جا سکتا ہے۔

آپ بھی کسی موضوع پر نظم لکھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے پہلے تو کسی موضوع کا انتخاب ضروری ہے۔ اس کے بعد یہ سوچیے کہ آپ کس طرح اپنے خیال کو نظم کا روپ دیں گے۔ آپ پابند نظم کہہ سکتے ہیں اور آزاد نظم بھی لکھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ کسی ایک بحر کا انتخاب کیجیے اور اسی بحر میں نظم کے مصرعے موزوں کرنے کی کوشش کیجیے۔ نمونے کے طور پر کوئی نظم سامنے رکھ کر طبع آزمائی کریں تو شروع میں آسانی ہوگی۔ آپ کسی پسندیدہ شخصیت پر بھی نظم لکھ سکتے ہیں یا کسی واقعے کو موضوع بنا سکتے ہیں۔ آپ کو ابتدا ہی میں لطف آنے لگے گا اور آپ محسوس کریں گے کہ آپ بھی نظمیں کہہ سکتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ نظم نگاری کے ہنر سے آپ واقف ہو جائیں گے اور پھر ایک دن بہت اچھی نظمیں کہنے لگیں گے۔

باب 2

نثری اظہار

2.1 تعارف

پریم چند (1880-1936)

آپ نے پچھلے باب میں پڑھا کہ ادبی اظہار کے دو طریقے ہیں۔ نثری اور شعری۔ آپ جانتے ہیں کہ شعری اظہار میں شاعر خیال کے اظہار پر زیادہ زور دیتا ہے اس لیے بعض اوقات الفاظ کے استعمال میں وہ قواعد کے اصولوں کی پابندی نہیں کر پاتا۔ مثال کے طور میر تقی میر کا یہ مصرع

دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

اس مصرع کو نثر میں یوں لکھا جائے گا۔

اس دل کی بیماری نے آخر میرا کام تمام کر دیا

آپ نے دیکھا کہ اس میں لفظوں کی ترتیب بدل گئی۔ دراصل شعر میں روانی اور نغمگی کے لیے وزن اور آہنگ کے اعتبار سے لفظوں کی ترتیب بدلنی پڑتی ہے۔ یعنی شعر کے مصرعوں میں فعل ابتدا میں اور فاعل آخر میں آ سکتا ہے لیکن نثری اظہار میں قواعد کے اصولوں کی پابندی کی جاتی ہے۔ نثر میں ادبی اظہار میں بھی نثر کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ افسانوی نثر اور غیر افسانوی نثر۔ وہ نثر جس میں کوئی قصہ یا کہانی بیان کی جائے اسے افسانوی نثر کہا جاتا ہے۔ جیسے داستان، ناول، افسانہ وغیرہ۔ وہ نثری تحریر جس میں کوئی کہانی نہ ہو، اسے غیر افسانوی نثر کہتے ہیں۔ جیسے انشائیہ، خاکہ، مضمون، سفرنامہ وغیرہ۔ ان مختلف اصناف مثلاً داستان، ناول، کہانی، خاکہ، انشائیہ وغیرہ کا اسلوب یا اندازِ بیان عام زبان و بیان سے مختلف ہوتا ہے۔ نثر کی تحریری صورت بھی نظم کی صورت سے مختلف ہوتی ہے۔ نثر میں پیراگراف اور نظم میں بند یا شعر ہوتے ہیں۔ جس طرح شعری اظہار کے لیے مختلف شعری اصناف مقرر ہیں اسی طرح نثری اظہار کو بھی مواد و موضوع اور مقصد کے پیش نظر متعدد ہیئتوں اور اصناف میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ذیل میں چند اہم نثری اصناف کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

میر امّن (1750-1837)

2.1.1 داستان

داستان افسانوی نثر کی ابتدائی صورتوں میں سے ایک ہے۔ داستانیں اس دور کی یادگار ہیں جب انسانوں کا ذہن اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا اور وہ جن، دیو، پری، بھوت پریت اور عقل کو حیران کر دینے والی دیگر چیزوں میں یقین رکھتے تھے۔ ان کے پاس فرصت کے اوقات بہت تھے۔ اس لیے وہ وقت گزاری کے لیے طویل قصے سنتے تھے۔ ہر علاقے میں داستان سنانے والے باقاعدہ داستان گو موجود تھے اور وہ ایک ہی داستان کو قصہ در قصہ طویل کرتے ہوئے

© NCERT not to be republished

مہینوں تک سناتے تھے۔ یعنی پہلے داستان صرف ایک زبانی اظہار تھا اور بعد میں اس نے تحریری اظہار کی صورت اختیار کر لی۔ بعد میں یہی داستانیں تحریر کی جانے لگیں۔ داستان کا مقصد تفریح ہے۔ داستان سننے یا پڑھنے والا اپنی تمام تکالیف اور مسائل کو بھول کر تھوڑی دیر کے لیے اس کی طلسمی فضا میں کھو جاتا ہے۔ عموماً داستانوں کی فضا رومانی اور خیالی ہوتی ہے۔ حیرت و استعجاب، حسن و عشق، مہم جوئی، طوالت، پیچیدگی اور لطف بیان وغیرہ داستان کی بنیادی صفات ہیں۔ زیادہ تر داستانوں میں شہزادے اور شہزادیوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ عام طور پر داستان کا ہیرو کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے کسی مہم پر نکلتا ہے۔ اس سلسلے میں اسے بہت سی دشواریوں اور پریشانیوں سے سابقہ پڑتا ہے لیکن وہ اپنی ہمت، بہادری اور ثابت قدمی کی وجہ سے آخر میں کامیاب ہوتا ہے۔ طلسم ہوش ربا، الف لیلہ، باغ و بہار، آرائش محفل، فسانۂ عجائب وغیرہ اردو کی مشہور داستانیں ہیں۔

2.1.2 ناول

مرزا رسوا (1857/58-1931)

جب سائنس نے ترقی کی تو انسان میں ہر چیز کو جانچنے پرکھنے اور پھر قبول کرنے کا رجحان بڑھا۔ چنانچہ سائنسی اور منطقی سوچ کی وجہ سے ان عقائد اور توہمات سے انسان کا اعتماد ختم ہونے لگا اور وہ ہر چیز کو عقل اور منطق کی کسوٹی پر دیکھنے لگا۔ اسی سوچ نے داستان کی جگہ کہانی کی ایک نئی شکل 'ناول' سے متعارف کرایا۔ نئے دور کا نیا انسان عقل کو حیران کر دینے والے واقعات اور جن، دیو، پری جیسے غیر حقیقی کرداروں پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے داستانوں سے اس کی دلچسپی کم ہونے لگی۔ اسی زمانے میں اصلاح معاشرہ کے لیے اردو میں ایسے قصے لکھے جانے لگے جن کے واقعات اور کرداروں کا تعلق عام زندگی سے تھا۔ یہی اردو میں صنف ناول کا نقطۂ آغاز ہے۔ انگریزی میں بھی ناول کا آغاز اصلاحی مقصد کے تحت ہی ہوا۔ اردو میں ناول کا آغاز انگریزی ناول کے زیر اثر ہوا۔ قصہ، پلاٹ، تکنیک، کردار نگاری، ماحول اور منظر نگاری، اسلوب اور نقطۂ نظر وغیرہ ناول کے اہم اجزائے ترکیبی ہیں۔

❖ کہانی اور پلاٹ

کسی بھی ناول کے لیے کہانی کی بنیادی اہمیت ہے۔ کہانی کی کشش ہی قاری کو ناول کی جانب متوجہ کرتی ہے۔ ایک واقعے کے بعد دوسرا واقعہ بیان کرنا دراصل کہانی کہنا ہے۔ یہ واقعات ایک منطقی ترتیب میں بیان کیے جاتے ہیں اور واقعات کی اسی منطقی ترتیب کا نام پلاٹ ہے۔ عام طور سے پلاٹ کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ پہلے حصے میں قصے کا آغاز ہوتا ہے اور تمام اہم کرداروں کا تعارف پیش کر دیا جاتا ہے۔ دوسرے حصے میں ان کرداروں کے معاملات میں گتھیاں پڑنی شروع ہو جاتی ہیں۔ تیسرے حصے میں یہ گتھیاں اس قدر الجھ جاتی ہیں کہ ان کا سلجھنا محال معلوم ہونے لگتا ہے۔ چوتھے حصے میں یہ گتھیاں سلجھنے لگتی ہیں اور پانچویں میں تمام معاملات انجام کو پہنچتے ہیں۔ پلاٹ جتنا چست اور گٹھا ہوا ہو، اتنا ہی بہتر مانا جاتا ہے۔ ناول میں صرف انھیں واقعات کو شامل کیا جاتا ہے جن کا قصے یا کرداروں سے براہ راست تعلق ہو۔ غیر ضروری اور بھرتی کے واقعات سے گریز کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

❖ کردار

ناول میں انسانی زندگی کی تصویر کشی کرداروں کے ذریعے انجام پاتی ہے۔ ناول میں کرداروں کی وہی حیثیت ہے جو

© NCERT not to be republished

انسانی سماج میں فرد کی ہوتی ہے۔ انسانی سماج کا فرد ناول میں کردار کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ اچھی اور مؤثر کردار نگاری کے لیے ضروری ہے کہ ناول نگار کو انسانی عادات و خصائل، خوبیوں اور خامیوں، پسند و ناپسند اور حرکت و عمل کا گہرا شعور ہو۔ کرداروں میں فطری ارتقا ہونا چاہیے۔ وقت اور ماحول کے مطابق جس طرح کسی شخص میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اسی طرح کرداروں میں بھی موقع و محل کے اعتبار سے بدلاؤ نظر آنا چاہیے۔

❖ ماحول اور منظر نگاری

ناول کا قصّہ جس مخصوص عہد، طرزِ زندگی، معاشرے اور ماحول سے متعلق ہے، اس کا جغرافیائی ماحول بھی ناول میں پیش کرنا ضروری ہے۔ ناول نگار یہ ماحول دو طریقوں سے پیش کرتا ہے۔ اول یہ کہ وہ سماج کے نقشے، بازاروں، گلیوں اور سڑکوں کی عکاسی کرتا ہے اور دوسرے وہ قدرتی مناظر مثلاً کھیت کھلیان، جنگلوں، پہاڑوں، آبشاروں اور دریاؤں وغیرہ کی تصویریں سامنے لاتا ہے۔ اس سلسلے میں ناول نگار کو یہ خیال رکھنا ہوتا ہے کہ وہ انھیں مناظر کو پیش کرے جن سے قصے کا براہ راست تعلق ہے یا جن سے قصے کو آگے بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔

❖ اسلوب

ناول کی کامیابی میں اسلوب نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ناول کا اسلوب موضوع اور کرداروں کے مطابق ہونا چاہیے۔ اسلوب ایسا ہونا چاہیے کہ ناول میں جو واقعات اور کردار پیش کیے جا رہے ہیں، قاری کی توجہ صرف ان پر مرکوز رہے، اسلوب کی طرف نہ جائے۔

❖ تکنیک

ہر ناول نگار قصے کی پیش کش کے لیے ایک خاص طریقہ استعمال کرتا ہے۔ پیش کش کا یہ خاص طریقہ ہی تکنیک ہے۔ ناول کی کئی تکنیک ہیں جن میں بیانیہ، فلیش بیک، شعور کی رو اور خطوط اور ڈائری کی تکنیک اہم ہیں۔

❖ نقطۂ نظر

ہر ناول نگار کا زندگی کے تئیں کوئی خاص نظریہ ہوتا ہے۔ وہ بعض چیزوں کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتا ہے۔ ناول میں یہی ناپسند مصنف کے نقطۂ نظر کے طور پر اجاگر ہوتی ہے۔ ناول کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مطالعے سے ناول نگار کا نقطۂ نظر براہ راست اجاگر نہ ہو بلکہ غیر محسوس طور پر قاری کے ذہن تک پہنچ جائے۔

2.1.3 کہانی/افسانہ

عصمت چغتائی (1915-1991)

کہانی یا افسانہ قصے کی وہ شکل ہے جس کی بنیاد کوئی ایک جذبہ، احساس، تاثر یا واقعہ ہوتا ہے اور اسے کم سے کم لفظوں میں مناسب انداز بیان میں جامعیت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ ناول سے ان معنوں میں مختلف ہے کہ ناول کا کینوس بہت وسیع ہوتا ہے اور اس میں عموماً کسی انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کیا جاتا ہے لیکن افسانے میں زندگی کے کسی ایک واقعے یا رخ کی عکاسی کی جاتی ہے۔ افسانہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مطالعہ، تجربہ اور مشاہدہ بہت وسیع ہو۔ افسانے کے موضوعات میں تنوع اسی صورت میں آئے گا جب مصنف کا تجربہ و مشاہدہ وسیع ہو۔ قصے کے موثر بیان کے لیے زبان پر قدرت لازمی ہے اور اس کے لیے گہرا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ پلاٹ، کردار، ماحول،

© NCERT not to be republished

اتحاد زماں و مکاں، وحدت تاثر اور اسلوب افسانے کے اہم اجزائے ترکیبی ہیں۔ ایک اچھا افسانہ لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک اچھے موضوع کا انتخاب کیا جائے، اس کا پلاٹ چست، درست مربوط اور کسا ہوا ہو، کردار متحرک، حقیقی اور جیتے جاگتے ہوں، مکالمے جاندار اور فطری ہوں اور اسلوب یا انداز بیان مناسب ہو۔

خواجہ احمد عباس (1914-1987)

❖ پلاٹ

واقعات کی منطقی ترتیب کو پلاٹ یا ماجرا کہا جاتا ہے۔ افسانے کا پلاٹ منظم، مربوط اور گٹھا ہوا ہونا چاہیے۔ اس کے مختلف واقعات میں ایک منطقی ربط ہونا چاہیے۔ افسانے میں جو کچھ واقع ہوتا ہے، اس کا آغاز، وسط اور انجام اگر ترتیب سے واقع ہوں تو ایسے پلاٹ کو منطقی ربط کا حامل سمجھنا چاہیے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ایسا ربط روایتی افسانے کے لیے ضروری سمجھا گیا ہے۔ آج کل جو افسانے لکھے جا رہے ہیں ان کا ماجرا بے ربط بھی ہوسکتا ہے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سرے سے ماجرا ہی نہ ہو۔

❖ کردار

قصے کی پیش کش جن افراد کے ذریعے کی جاتی ہے انھیں کردار کہا جاتا ہے۔ یہ کردار انسان، جانور، پرندے یا پیڑ پودے کچھ بھی ہوسکتے ہیں۔ افسانے کا تعلق چونکہ ہماری زندگی سے ہے اس لیے اس کے کردار بھی ہمارے معاشرے سے ہی لیے جاتے ہیں۔ افسانہ نگار کو کرداروں کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ ہمارے معاشرے کی بھرپور نمائندگی کریں۔ کرداروں کو فطری اور حقیقی ہونا چاہیے۔ انھیں بالکل ویسا ہی ہونا چاہیے جیسے عام انسان ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک انسان میں خوبیاں اور خامیاں دونوں ہوتی ہیں اسی طرح افسانے کے کرداروں میں بھی اچھائی اور برائی دونوں ہونی چاہیے۔ عمر کے ساتھ ساتھ انسان کے ذہن وفکر اور حرکات وسکنات میں جو تبدیلیاں آتی ہیں، افسانے کے کرداروں میں بھی وہ تبدیلیاں نظر آنی چاہئیں۔

❖ ماحول

جس مقام سے افسانے کے واقعے کا تعلق ہوتا ہے، اس کے آس پاس کا ماحول اس میں حقیقت و واقعیت کا رنگ بھرنے میں معاون ہوتا ہے۔ افسانے کے ماحول میں گاؤں، شہر، محلّہ، گلی، بازار، کھیت، آفس، ندی، پہاڑ وغیرہ پیش کیے جاسکتے ہیں۔ افسانے کے ماحول اور کرداروں میں مناسبت ہونی چاہیے۔ کرداروں کی زبان ماحول کے مطابق ہونی چاہیے۔

❖ اتحاد زمان ومکاں

افسانے میں اتحاد زماں و مکاں کی بھی بہت اہمیت ہے۔ اتحاد زماں سے مراد وہ عرصہ ہے جس میں واقعات رونما ہوتے اور پھر ختم ہوتے ہیں۔ اتحاد مکاں کا مطلب یہ ہے کہ افسانہ جن مقامات پر واقع ہوتا اور مکمل ہوتا دکھایا جائے ان میں بہت زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر افسانہ نگار کے ذہن میں واقعہ یا کردار کے واقع ہونے کی جگہ کا صحیح تصور نہ ہو تو افسانے کا تاثر مجروح ہوگا۔ اگر کردار یا واقعے کا تعلق شہر سے ہے اور بیان میں دیہات کی بات آ رہی ہے یا واقعے کا تعلق ماضی بعید سے ہے اور بیان سے ماضی قریب کا ادراک ہو رہا ہے تو اسے افسانے کی کمی مانا جاتا ہے۔

2020-21

❖ وحدتِ تاثر

واقعے، کردار اور ماحول کے مناسب تال میل سے افسانے میں وحدتِ تاثر پیدا ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ افسانے کا واقعہ حقیقت میں واقع نہ ہوسکتا ہو مگر اپنے تاثر سے وہ غیر یقینی افسانے کو یقین کیے جانے لائق بنا دیتا ہے۔ افسانہ نگار جو بات کہنا چاہتا ہے وہ افسانے کے ہر جزو میں پورے تاثر کے ساتھ نظر آنا چاہیے تاکہ قاری اس کو پوری شدت کے ساتھ محسوس کرے۔ یہ تاثر جس قدر توانا اور مضبوط ہوگا افسانہ اسی قدر کامیاب کہا جائے گا۔ وحدتِ تاثر کے لیے ضروری ہے کہ وہی حالات و واقعات بیان کیے جائیں جن کا کہانی کے موضوع اور مرکزی کردار سے براہ راست تعلق ہو۔

❖ اسلوب

افسانے کی کامیابی میں اچھے اسلوب کی بھی بہت اہمیت ہے۔ افسانے کا پلاٹ اچھا ہو، کردار بہترین ہوں لیکن اگر اسلوب مناسب نہیں ہے تو ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ اسلوب موضوع اور کرداروں کے مطابق ہونا چاہیے۔ ایک اچھا اسلوب اپنے اندر جادو کی سی تاثیر اور مقناطیسی کشش رکھتا ہے اور قاری کے ذہن پر دیرپا تاثر مرتب کرتا ہے۔

افسانہ نگار افسانے کی تخلیق کے وقت، اس کی تشکیل کے لیے لازمی مذکورہ بالا عوامل پر خاص توجہ دیتا ہے۔ اپنی درسی کتابوں میں آپ نے جتنی کہانیاں/افسانے پڑھے ہیں، وہ اپنے تشکیلی عوامل کی مناسب ترکیب و تحلیل کی وجہ سے شاہکار کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگر آپ افسانہ یا کہانی کے ذریعے اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو پہلا قدم یہ ہے کہ آپ ان افسانوں اور ان کے علاوہ متعدد دوسرے افسانوں کا بار بار مطالعہ کریں، آس پاس کے ماحول میں نظر آنے والے انسانوں کے دُکھ یا سُکھ سے واقفیت حاصل کریں۔ یہ دیکھیں کہ کون سی باتیں انسانوں کو خوشی عطا کرتی ہیں اور کن باتوں کی وجہ سے وہ دُکھی ہو جاتے ہیں۔ حیوانوں اور قدرتی مناظر وغیرہ کا گہرا مشاہدہ کیجیے۔ مختلف قسم کے لوگوں کے حرکت و عمل اور بول چال کی زبان سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔ یہ ایسے امور ہیں جن پر توجہ دے کر آپ اچھے افسانے کی تخلیق کر سکتے ہیں۔

2.1.4 مضمون

'مضمون' کے لفظی معنی ہیں وہ بات، خیال یا موضوع، جس کے تحت کچھ لکھا جائے۔ مواد اور ہیئت کے لحاظ سے مضمون کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً مضمون، مقالہ، تبصرہ وغیرہ۔ مضمون اپنے سنجیدہ علمی اور لسانی برتاؤ کے سبب انشائیہ، رپورتاژ اور خاکے سے مختلف صنف ہے۔ مضمون کا متن اپنی صداقت اور صراحت کی وجہ سے حقائق کو دوٹوک انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس میں ابہام، طنز و مزاح، تاثراتی بیانات وغیرہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مضمون کا متن مربوط اور منظّم ہو تو اس میں بیان کیے گئے خیالات کی ترسیل و ابلاغ میں آسانی ہوتی ہے۔ جس مسئلے یا موضوع پر مضمون لکھا گیا ہے اسے اپنی تفصیلات کے مربوط بیان کے ساتھ پیش کیا جانا چاہیے تاکہ موضوع کے سارے نشیب و فراز قاری کے سامنے واضح ہوسکیں۔ اس کے لیے ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

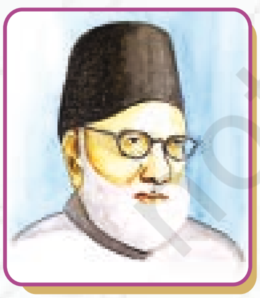

مولوی عبدالحق (1870-1961)

© NCERT not to be republished

- مضمون کے لیے موضوع کا انتخاب
- تمہیدی طور پر موضوع کا تعارف
- موضوع سے متعلق اہم پہلوؤں کی وضاحت۔
- آخر میں بحث کے نتائج کا موثر بیان۔
- صاف، رواں اور آسان زبان کا استعمال۔
- موضوع کے آغاز، وسط اور انجام کا باہمی ربط
- ہر حصے کی توضیح وتشریح مگر غیر ضروری طوالت سے اجتناب
- ایک منطقی تفہیم کی تشکیل

2.1.5 انشائیہ

انشائیہ دراصل ادبی نثر میں کسی موضوع پر اظہار خیال ہے۔ یہ سنجیدہ بھی ہوسکتا ہے اور طنزیہ یا مزاحیہ بھی۔ اس میں شائستگی اور شگفتگی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ انشائیہ بات سے بات پیدا کرنے کا فن ہے۔ اسی لیے اسے ذہنی ترنگ بھی کہا جاتا ہے۔ انشائیہ نگار اپنے موضوع کو کسی ایک پہلو تک ہی محدود نہ رکھ کر ذہنی رو کے ساتھ (لیکن خیال اور زبان کی ہم آہنگی کے ساتھ) پسندیدہ سمت میں موڑ دیتا ہے اور بات سے بات پیدا کرتا ہے۔ انشائیے کی ادبیت، شگفتگی اور شعریت ہی دراصل اس کی جان ہے۔

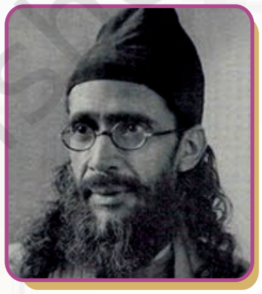

خواجہ حسن نظامی (1955-1879)

انشائیہ لکھنے کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

- سب سے پہلے ایک موضوع منتخب کیجیے۔
- موضوع کے متعلق ساری معلومات اکٹھی کیجیے۔
- اگر اسی موضوع پر اور بھی انشائیے یا دیگر تحریریں ہوں تو ان کا مطالعہ کیجیے۔
- موضوع اور اس کے اجزا کا سماج، زبان، تہذیب وغیرہ سے تعلق پر غور کیجیے اور اہم نکات نوٹ کیجیے۔
- موضوع کے متعلق اپنے تمام مطالعے اور مشاہدے کو استعمال کرتے ہوئے لکھنا شروع کیجیے۔
- انشائیے کی زبان آسان ہونی چاہیے۔ جملے چھوٹے اور واضح ہوں۔
- تحریر زیادہ طویل نہ ہو۔
- لکھنے کے بعد اپنی تحریر کو بار بار پڑھیے۔ اسے بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کیجیے۔
- اسے پڑھنے کے بعد آپ فرحت محسوس کر رہے ہیں یا نہیں؟
- ادب سے دلچسپی رکھنے والے اپنے دوستوں کو اپنی تحریر سنا کر ان کی رائے معلوم کیجیے۔

2.1.6 خاکہ

خاکہ میں کسی کردار/شخص کے ظاہری حلیے، عادات واطوار، پہناوے وغیرہ کو اس انداز میں بیان کیا جاتا ہے کہ تصویر

© NCERT not to be republished

خاکہ پڑھنے والے کے سامنے آجاتی ہے۔ کردار کے حلیے کے ساتھ اس کے عادات واطوار لوگوں سے اس کے ملنے جلنے یا ان سے برتاؤ کرنے ، اس کی پسند و ناپسند اور مزاج ، غرض ہر پہلو سے خاکے میں بیان کیے جانے والے کردار کو جیتے جاگتے کردار کی طرح ، دلچسپ انداز میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کا احوال پڑھ کر قاری اس کی شخصیت سے لطف اندوز ہو سکے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ (1883/84-1946/47)

افسانے کی طرح خاکے میں بھی بیانیے کی بہت اہمیت ہے۔ جس شخص کا خاکہ لکھا جا رہا ہے، اس کی صورت و سیرت کے سارے پہلوؤں کو دلچسپ انداز میں بیان کرنا چاہیے۔ موثر کردار نگاری کے لیے خاکہ نگار کو اس ماحول میں سانس لینے والے افراد کا لازمی طور سے مشاہدہ کرنا چاہیے۔ ان کی صورت و سیرت ، زبان اور طور طریقے پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیے تاکہ خاکے میں سچائی کا رنگ بھرا جا سکے۔

نئے خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خاکوں اور خاکہ نگاری کے فن پر لکھی گئی اہم کتابوں کا مطالعہ کرے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ ، مولوی عبدالحق ، رشید احمد صدیقی ، شاہد احمد دہلوی ، منٹو، کرشن چندر، مجتبیٰ حسین وغیرہ نے بہترین خاکے تحریر کیے ہیں۔ ان کے تحریر کردہ خاکوں کا مطالعہ کیے بغیر رنگا رنگ شخصیتوں کی صورت و سیرت بیان کرنے کے فن پر عبور حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

2.1.7 سفرنامہ

سفرنامے میں سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے۔ سفرنامے کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے مطالعے کے ذریعے ہم گھر بیٹھے مختلف ممالک اور شہروں کے بارے میں معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ سفر کرنے والا جن مقامات کی سیر کرتا ہے وہاں پیش آنے والے واقعات، حالات اور مشاہدات کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ وہ ان جگہوں کے باشندوں، جغرافیائی محل وقوع، تاریخ، تہذیب و تمدن، رسم و رواج، سماجی حالات، سیاسی صورت حال، ادبی و ثقافتی سرگرمیوں اور دیگر تفصیلات پر روشنی ڈالتا ہے۔ سفرنامہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سفر کی روداد سچائی اور ایمانداری سے بیان کرے۔ سفرنامے کا اسلوب دل کش ہونا چاہیے تاکہ قاری دلچسپی کے ساتھ اس کا مطالعہ کر سکے۔ سفرنامہ لکھنے والے کو غیر ضروری تفصیل اور طول بیانی سے بچنا چاہیے۔ سفرنامے کے موضوعات متعین نہیں ہیں۔ اس میں سیاح اپنے سفر کے دوران جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اس کے بارے میں لکھ سکتا ہے اور پس منظر کے طور پر بھی ضروری معلومات فراہم کر سکتا ہے۔ اردو میں ادبی سفرناموں کے علاوہ حج کے بھی متعدد سفرنامے لکھے گئے ہیں۔ سفرنامے عموماً سنجیدہ ہوتے ہیں لیکن بعض ادیبوں نے مزاحیہ سفرنامے بھی تحریر کیے ہیں۔

سرسیّد احمد خاں (1817-1898)

یوسف خاں کمبل پوش کا 'عجائبات فرنگ' اردو کا پہلا سفرنامہ ہے۔ سرسید احمد خاں کا 'مسافران لندن' محمد حسین آزاد کا 'سیر ایران'، شبلی نعمانی کا 'سفرنامہ روم و مصر و شام' اور مستنصر حسین تارڑ کا 'اندلس میں اجنبی' اردو کے اہم سفرنامے تسلیم کیے جاتے ہیں۔ کرنل محمد خاں کا 'بہ سلامت روی' ابن انشا کا 'چلتے ہو تو چین کو چلیے' اور 'دنیا گول ہے' جمیل الدین عالی کا 'تماشا مرے آگے' اور مجتبیٰ حسین کا 'جاپان چلو جاپان چلو' اردو کے اہم مزاحیہ سفرنامے ہیں۔

© NCERT not to be republished

2.1.8 رپورتاژ

رپورٹ یا روداد غیر افسانوی بیانیہ صنف ہے جس میں کسی واقعے کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بیان صداقت پر مبنی محض اخباری رپورٹ بھی ہوسکتا ہے اور واقعے کی نوعیت کے پیش نظر روداد نویس واقعے میں موجود افراد کے احساسات کی عکاسی بھی کرسکتا ہے۔ بیانیہ فن ہونے کی وجہ سے مصنف رپورتاژ میں اپنے تاثرات کا بھی اظہار کر سکتا ہے۔ رپورتاژ کی زبان صاف، شستہ اور رواں ہونی چاہیے۔ اسے لکھنے والا پیش آئے واقعے کے منظر و ماحول کی حقیقی عکاسی کرے اور افراد کی ایسی تصویر کشی کرے کہ واقعے کی صداقت پر یقین آ جائے۔ ایسا معلوم ہو کہ رپورتاژ لکھنے والا واقعی ادبی جلسے میں شامل ہے نہ کہ محض تماشائی ہے۔

اردو میں رپورتاژ لکھنے کی روایت ادبی جلسوں کی روداد نگاری سے شروع ہوئی۔ کرشن چندر نے حیدرآباد کے ترقی پسند مصنّفین کے ایک اجتماع پر مبنی رپورتاژ کا 'پودے' کے نام سے لکھا۔ آج کل مشاعروں، سیمیناروں اور سیاسی جلسوں کی رودادیں لکھی جاتی ہیں۔ چونکہ روداد نویسی کا تعلق صحافت سے ہے اس لیے رپورتاژ پر خبر، رواں تبصرے، اشتہار وغیرہ کی زبان کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔

2.1.9 ڈائری/روزنامچہ

کسی فرد کے حالات کے یومیہ تذکرے کو یادنگاری یا ڈائری لکھنا کہتے ہیں۔ ڈائری یا روزنامچہ لکھنا ذاتی اظہار کا طریق کار ہے۔ اس میں فرد اپنی زندگی کے خاص خاص حالات تاریخ وار درج کرتا ہے۔ ذاتی اظہار ہونے کی وجہ سے ڈائری کے اسلوب میں لکھنے والے کے تاثرات و احساسات کا بھرپور بیان ملتا ہے۔ نجی/شخصی ڈائری میں فرد اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا بیان اپنے نقطۂ نظر سے کرتا ہے مثلاً شادی بیاہ، موت، دیگر افراد سے تعلقات اور اپنے کاروباری حالات کو وہ ذاتی محسوسات کے طور پر لکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اطراف میں ہونے والے اہم واقعات مثلاً جلسے جلوس، الیکشن، مذہبی، معاشرتی مباحث وغیرہ کا تذکرہ بھی ڈائری میں کیا جاسکتا ہے۔ ڈائری کا متن ماضی کے حالات سے واقفیت میں معاون ہوتا ہے۔ اگر یہ ڈائری کسی ادیب، شاعر یا دانش ور نے لکھی ہے تو ڈائری میں بیان کیے گئے اس کے ادبی، تہذیبی اور فکری مسائل اور معاملات اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ڈائری غیر تخلیقی اظہار ضرور ہے لیکن اس کے مندرجات تخلیق یا تحقیق کرنے والوں کے لیے مفید ہوسکتے ہیں۔ ڈائری لکھنے کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

- جن حالات کا تذکرہ کیا جائے وہ عام یا غیر اہم قطعی نہ ہوں۔
- ڈائری کا متن یعنی حالات کا تذکرہ سلسلہ وار ہونا چاہیے۔
- ڈائری لکھتے وقت حقیقت اور صداقت سے انحراف نہیں کرنا چاہیے۔
- ڈائری کا قاری خود لکھنے والا ہوتا ہے۔
- ڈائری کی زبان لکھنے والے کی اپنی زبان ہوتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد (1958-1888)

© NCERT not to be republished

- اگر ڈائری دیگر افراد کے لیے لکھی گئی ہے تو اس میں نجی حالات کے بیان میں اور نجی زبان کے استعمال میں احتیاط برتنی ضروری ہے۔

2.1.10 خط/مکتوب

خط لکھنا گویا دور بیٹھے افراد سے باتیں کرنا ہے۔ خط یا مکتوب سماجی رابطے کا نثری اظہار ہے۔ اس میں خط لکھنے والا مکتوب الیہ (جسے خط لکھا گیا) کو تحریری طور پر مخاطب کرتا ہے۔ اسے اپنے خیالات سے باخبر کرتا اور اس کے حالات سے آگاہی چاہتا ہے۔ خط اخلاقی رابطہ، دوستوں اور رشتے داروں کے حالات سے باخبر رہنے کا اہم ذریعہ رہا ہے۔ خط میں استعمال کی گئی زبان صاف اور آسان ہوتی ہے، ایسی کہ پڑھنے والا لکھنے والے کے دل کا حال اور اس کے مسائل کو بہ آسانی سمجھ لیتا ہے۔ خط میں دو افراد کے مابین بات چیت اسے غیر رسمی بناتی ہے۔

خط لکھنا الیکٹرانک مواصلات کے زمانے میں ماضی کی چیز بنتا جا رہا ہے مگر ایک تہذیبی اور ثقافتی روایت کے طور پر آج بھی لوگ کاغذ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ خط لکھنے کا طریقہ کار ابتدائی تعلیم کے زمانے میں ہی سکھا دیا جاتا ہے۔ اور اس کی مشق کے لیے مختلف قسم کے خطوط لکھوائے جاتے ہیں۔ اس روایت سے واقفیت کے لیے اردو ادیبوں کے خطوط کا مطالعہ مفید ہوسکتا ہے۔ اردو میں مرزا غالب کے خطوط کو بے حد شہرت حاصل ہوئی۔